ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کی علمی اور ثقافتی حیثیت تاریخ کی روشنی میں

(۳)

ڈاکٹر سمیع الدین احمد، لکچرر شعبہ فارسی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

اسٹوری نے مصنف سیرالاولیاء کے حوالہ سے لکھا ہے[۱] کہ برنی نے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا مخلص مرید تھا، اپنی عمر کے آخری چند برس عزلت، یادِ خدا اور تصنیف و تالیف کے مشاغل میں گذارے اور اسی حصۂ عمر میں کئی علمی اور ادبی کتابیں تصنیف کیں۔ اس کو امیر خسرو اور حسن دہلوی جیسے باکمال رفقاء کی دوستی اور ہم نشینی کا شرف حاصل رہا اور ان کے اقوال و مذاکرات کو اس نے جابجا تاریخ فیروز شاہی میں ثبت کیا ہے۔ صاحب سیرالاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ اس سیرالاولیاء میں تاریخ فیروز شاہی کے علاوہ برنی کی حسب ذیل کتابوں کا بھی حوالہ ملتا ہے۔

1. Persion literature, Section II Fasciculus 3 pp. 506-507

(۱) ثنای محمدی[1]۔

(۲) صلوٰۃ کبیر۔

(۳) عنایت نامہ الٰہی۔

(۴) مآثر سادات

(۵) حسرت نامہ

ان تصانیف کے علاوہ برنی نے آل برامکہ پر تالیف شدہ ایک قدیم عربی کتاب[2] کا فارسی ترجمہ بھی بعنوان اخبار برامکہ (یا اسٹوری کے بیان کے مطابق اخبار برمکیان) ترتیب دیا تھا جو ۷۵۵ھ (مطابق ۱۳۵۴ء) میں مکمل ہوا اور فیروز بن رجب (مشہور بہ فیروز شاہ تغلق) کے نام معنون کیا گیا۔

تاریخ فیروز شاہی میں غیاث الدین بلبن کے سال جلوس (۶۶۴ھ - ۱۲۶۵ء) سے لے کر سلطان فیروز شاہ تغلق کے چھٹے سال جلوس (۷۵۸ھ - ۱۳۵۷ء) تک کے تاریخی حالات وواقعات درج کئے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے اس اہم تالیف کو منہاج سراج جوزجانی کی تاریخ طبقات ناصری کا تکملہ قرار دیا جا سکتا ہے جو ۶۵۸ھ میں مکمل ہوئی۔ سلاطین دہلی کی تاریخ اور اُن کے دور حکومت کے سیاسی، تمدنی اور تہذیبی حالات کے لئے برنی کی یہ تصنیف ایک معتبر اور وقیع مآخذ کا کام کرتی ہے۔ اسی بنا پر ذکر الملوک یا تاریخ حقی (تصنیف شیخ عبدالحق دہلوی) اور دوسری متاخر تاریخوں میں اس عہد (بلبن تا فیروز تغلق) کے تذکرے بیشتر تاریخ فیروز شاہی سے ہی منقول ہیں۔ فن تاریخ نویسی کے اعلیٰ معیار، جزالت تحریر، شگفتگی بیان اور اپنے دل نشین اسلوب نگارش کی بنا پر یہ

---

[1] غالباً اس کا واحد مخطوطہ نسخہ رامپور رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔

[2] ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے مصنف کا نام ابوالقاسم طایفی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران، جلد سوم بخش دوم، ص ۱۲۹۲)

تصنیف فارسی نثرِ وانشار کے قابلِ قدر شاہکاروں میں شامل کی جاسکتی ہے[1]۔

سلاطینِ دہلی کی تاریخ کے سلسلہ کی تیسری کڑی شمس الدین بن سراج الدین بن عفیف الدین ـــــ عرف عام میں شمس سراج عفیف ـــــ کی تاریخ فیروز شاہی ہے جو غالباً ہندوستان میں تیمور کے حملہ کے فوراً بعد ۸۰۱ھ (مطابق ۱۳۹۹ء) کے لگ بھگ تصنیف ہوئی۔ اس کتاب کو تاریخی تسلسل کی وجہ سے برنی کی تاریخ فیروز شاہی کا ضمیمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس عہد کا ایک قابلِ ذکر اور ممتاز مورخ خواجہ عبدالملک عصامی تھا جس نے ۷۵۰ھ (۱۳۴۹ء) میں ایک منظوم تاریخ فتوح السلاطین یا شاہنامہ ہند عصامی کے کے عنوان سے مرتب کی[2]۔ عصامی کی پیدائش ۷۱۱ھ کے لگ بھگ ہوئی تھی۔

---

[1] ضیاءالدین برنی اور تاریخ فیروز شاہی کے موضوع پر بہت لکھا جاچکا ہے۔ ایلیٹ اور ڈاوسن (ج ۳، ص ۹۳) میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مرحوم پروفیسر محمد حبیب نے Lpe ... ...ught of zia uddin Barani کے عنوان کے تحت سات ابواب پر مشتمل ایک مبسوط مقالہ (Medieval India Quarterly) کی تیسری جلد (جنوری۔ اپریل، ۱۹۵۸ شمارہ ۳/۴) میں سپردِ قلم کیا۔ شیخ عبدالرشید سابق صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بھی ایک مضمون انگریزی میں اور ایک اردو میں اسی موضوع پر لکھا ہے۔ اسی عنوان کے تحت ایک محققانہ اور تنقیدی مقالہ انگریزی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی تحریر کیا ہے جس کے لیے ملاحظہ ہو Historians of Medieval India ed Mohibbul Hasan 1968, Meenakshi Prakashan Meerut۔ اس کے علاوہ بھی متعدد دوسرے ماخذ ہیں جن کا ذکر طوالت کے خوف سے نظرانداز کیا جاتا ہے۔

[2] فتوح السلاطین دراصل سلطان علاءالدین حسن بہمن شاہ (گنگو یا کانگو) کے ایماء پر ۱۳۴۹ء یا ۱۳۵۰ء میں لکھی گئی۔ صباح الدین عبدالرحمان صاحب نے اپنے مقالہ بعنوان "جذباتی ہم آہنگی" (ادمغانِ مالک، ص ۶۹۶) میں لکھا ہے کہ حسن بہمنی محمد تغلق کے ایک منجم گنگو برہمن کا ملازم تھا۔ چونکہ موخرالذکر اس کا محسن تھا، لہٰذا اس نے اسی رعایت سے اپنے آقا کا نام اپنے نام میں شامل کرلیا جب ۱۳۴۷ء میں بہمن شاہ نے دکن میں آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی اور خودمختاری کا اعلان کیا تو عصامی اس کے دربار سے منسلک ہوگیا۔ یہ منظوم تاریخ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں عہد غزنوی سے سال تصنیف تک کے تاریخی حالات درج ہیں پہلی جلد میں غزنوی فتوحات سے لے کر غوری حکمرانوں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب ۱۳۲۶ء یا ۱۳۲۷ء (۷۲۶-۲۷ھ) میں فخرالدین جونا المعروف بہ سلطان محمد بن تغلق نے مع امرا، ورؤسا، عساکر وافواج اور حشم وخدم دہلی کو خیرباد کہہ کر نئے دارالخلافہ دیوگری (دولت آباد) کی طرف کوچ کیا تو عصامی بھی ہم سفر تھا بعد میں وہ علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے دامن دولت سے وابستہ ہوگیا اور اس نے چند ماہ کی مدت میں اپنی مثنوی جو شاہ نامہ فردوسی کے انداز وتقلید میں نظم کی گئی ہے مکمل کی اور اس کو اپنے آقا ومربی کے نام غالباً ۱۳۵۰ء یا ۱۳۵۲ء کے حدود میں معنون کیا۔

فتوح السلاطین میں بحر متقارب میں تقریباً بارہ ہزار ابیات ہیں۔ اگرچہ اس کا علمی وادبی پایہ بہت بلند نہیں لیکن تاریخی واقعات وحوادث کی تفصیل وشرح کے اعتبار سے اس کی اہمیت مسلّم ہے۔ معظمی صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے عصامی کو اس عہد کا ممتاز ترین ہندوستانی رزمیہ گو شاعر کہا ہے۔[۱]

آخری خلجی حکمران قطب الدین مبارک شاہ اور اس کے غیر اصل وارث خسرو خان کے زوال اور موت کے بعد ۱۳۲۰ء میں ایک علائی سردار غازی ملک غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء - ۱۳۲۵ء) کے نام سے سلطنت دہلی کے تخت پر متمکن ہوا اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی فتوحات تک کا تذکرہ شامل ہے۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین نے اسی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ مع حواشی اور تشریحات مرتب کیا ہے۔ جو شعبۂ تاریخ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں فتوح السلاطین کا اڈیشن آغا مہدی حسین ہی کے قلم سے تیار ہوا اور آگرہ سے شائع ہوا اور پھر ۱۹۴۸ء میں اس کا دوسرا اڈیشن بقلم اے ایس اوشا مدراس سے شائع ہو چکا ہے۔

[۱] ملاحظہ ہو مضمون بعنوان Glimpses of Indo-Persian literature انڈو ایرانیکا جون ۱۹۵۷ء (Indo-Iranica June 1957 P. 6)

طرح ایک نئے دورِ اقتدار کا آغاز ہوا۔

عہدِ تغلق میں سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ تہذیبی، علمی اور ادبی مشاغل کا سلسلہ برابر جاری رہا اور اس لحاظ سے ان باوقار سلاطین کے عہدِ حکومت کو ایک امتیازی شان حاصل رہی ہے۔ ان کے زمانہ کے ادبی، تمدنی اور علمی ماحول کی رونق اور گرم بازاری کا ذکر معاصر اور متاخر ماخذوں میں جا بجا ملتا ہے۔ اس دور میں متعدد شاعر، ادیب، انشاپرداز، علماء اور مشائخ اور اربابِ فن موجود تھے جن کے کارنامے اس عہد کی تہذیبی اور تمدنی تاریخ کا روشن اور زریں باب ہیں۔ خصوصی طور پر غیاث الدین تغلق کے وارث محمد بن تغلق (۱۳۲۵ء-۱۳۵۱ء) اور سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء - ۱۳۸۸ء) کے زمانۂ حکومت میں اربابِ کمال کافی تعداد میں موجود تھے۔ صفِ اول کے سخنوروں کے علاوہ (جن کی تعداد زیادہ نہ تھی) نسبتاً غیر معروف اور درجہ دوم کے متعدد شاعر ایسے تھے جو اس زمانہ میں زندہ تھے اور جنھوں نے اپنے شعری آثار چھوڑے ہیں۔ بطور مجموعی شعر و سخن کے فروغ وارتقاء کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس خاندان کے حکمران علم دوست، باذوق، باصلاحیت، مدبر اور دوراندیش تھے اور نہ صرف یہ کہ باکمال اربابِ فن کی قدر اور سرپرستی کرتے تھے بلکہ خود بھی علمی اور تہذیبی ذوق و شوق سے بہرہ مند تھے اور فنون و علوم میں بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ برنی نے سلطان محمد تغلق کے جود و سخا، فراست و درایت، ذاتی فضائل، شعر فہمی، علم دوستی، طبّاعی اور کمالات کی بہت تعریف کی ہے[1]۔ اس کے ذوقِ علمی کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"و در معقولاتِ فلاسفہ رغبتے تمام داشت و چیزے از علمِ معقول خواندہ بود[2]"

برنی نے خود لکھا ہے کہ میں سترہ سال اور تین ماہ سلطان محمد تغلق کی خدمت میں ملازم

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، سرسید احمد خان، ص ۴۵۶ بعد

[2] ایضاً ص ۴۶۴

دنگاہ رہا اور مجھے 'انعامات وافرہ' اور 'صدقات متواترہ' نصیب ہوئے [۱]۔

فیروز تغلق کے عہدِ حکومت کی علمی و تہذیبی حالت اور اس کے بذل و نوال اور داد و دہش کے بارے میں وہ لکھتا ہے:

"........ وادرارات و انعامات و وظایف علماء و مشائخ و مدرسان و مفتیان و مذاکران و متعلمان و حافظان و مقربان و ارباب مساجد و آستانہ داران و حیدریان و قلندران و مستحقان و مسکینان دار الملک دہلی از ہزارہا گذشت و بہ لکہا رسید و مدارس و مساجد قدیم کہ خالی و مندرس گشتہ بود، از مدرسان و مذاکران و متعلمان مشحون و مملو گشت و رونق علم و رواج تعلم از سر پیدا آمد...... الخ [۲]"

اسی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے خانقاہوں کے اخراجات اور مشائخ طریقت کی امداد مالی کے لیے اوقاف قایم کئے اور ان کے لیے جاگیریں اور زمینیں مقرر کیں۔ بزرگانِ دین کے لیے وظایف اور مختلف صوفی بزرگوں کے خاندان والوں اور ان کے ورثاء کے لئے مشاہرے مقرر کئے [۳]۔

مکرمی صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے لکھا ہے کہ محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں ہندوستان اور دوسرے ممالک کے درمیان ثقافتی روابط بہت بڑھ گئے تھے اور اس کی معارف پروری کا یہ عالم تھا کہ اس نے دس ہزار دینار طلائی قاضی مجدالدین شیرازی کو اور اور چالیس ہزار دینار برہان الدین سمرقندی کو ارسال کئے تھے۔ یہ دونوں اصحاب اُس زمانہ کے جید اور متبحر علماء میں شمار ہوتے تھے [۴]۔ اسی سلسلہ میں موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی، سرسید احمد خان، ص ۵۰۴ ببعد۔

[۲] ایضاً " " ، ص ۵۵۹

[۳] ایضاً ص ۵۶۰ تا بعد

[۴] ملاحظہ ہو مقالہ انگریزی انڈو ایرانیکا جون ۱۹۵۶ء ص ۶

ایک دفعہ ایک شیرازی دانش مند نے کچھ کتابیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیں تو اس نے بطور انعام اس عالم کو بیس ہزار مثقال سونا عطا کیا۔[1]

شہاب الدین العمری کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے صباح الدین صاحب نے مزید لکھا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق کے دربار میں عربی، فارسی اور ہندی کے ایک ہزار شاعر جمع رہتے تھے۔[2] وہ باوجود اپنی قساوت قلبی، سرپھرے پن اور خونریزی اور سفاکی کے خود بھی عالم وفاضل اور باذوق ہونے کے علاوہ فن کاروں کو نوازنے اور علم وفضل کی حمایت میں کسی سے کم نہ تھا۔[3]

جس طرح برنی کو محمد تغلق کی سرپرستی حاصل رہی، اسی طرح شمس سراج عفیف کی تربیت فیروز شاہ تغلق کے زیر عاطفت ہوئی اور وہ ایک مدت تک اس کی نوازشوں کا خوشہ چین اور اس کے دامن دولت سے وابستہ رہا۔ طرح طرح کی عمارات کے اعلیٰ ذوق کے علاوہ جس کا ثبوت وہ مساجد، قلعے، محلات، مقبرے اور مدرسے ہیں جو اس نے تعمیر کرائے تھے[4] اس مخیر اور دریا دل بادشاہ کو علم تاریخ سے بھی گہرا شغف تھا۔ ظلم وستم کا وہ ماحول جو محمد بن تغلق کے دورِ حکومت میں ہر چہار طرف قایم تھا اب ختم ہو چکا تھا، لہذا اس نیک دل حکمران نے امن وامان قایم کرنے کے علاوہ خانقاہوں اور جماعت خانوں پر سے سختی اور سخت گیری کا تسلط دور کیا اور مشائخ وصوفیا کی زندگی میں آزادی، سکون اور طمانیتِ قلب کی حکمرانی قایم کی۔ اس کو مشایخ وقت سے گہری عقیدت تھی اور

---

[1] ملاحظہ ہو مقالہ انگریزی انڈو ایرانیکا جون ۱۹۵۷ء ص ۶

[2] ایضاً۔

[3] ایشوری پرشاد نے اپنی مشہور کتاب History of Medieval India میں اس کے کمالات اور اکتسابات کی بڑی تعریف کی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۲۹۔

[4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۳۲۹ بعد

اسی جذبہ کے تحت اس کے تعلقات حضرت چراغ دہلی سے ارادتمندانہ اور مخلصانہ تھے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہر سال ایک بڑی رقم اہل علم حضرات کو بطور عطیہ دینے اور مدرسوں، مساجد اور دوسرے تمدنی تہذیبی اور تعلیمی مراکز کی امداد کے لئے محفوظ رکھتا تھا۔ فتوحاتِ فیروز شاہی کو جو اصولِ حکمرانی، انسداد افعالِ ذمیمہ، اقوال، فرامین، رفاہِ عامہ، تعمیرات اور دوسرے کارہائے نمایاں کے ذکر و تفصیلات پر مشتمل ہے، ایک اہم کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔[1]

اسٹوری نے لکھا ہے کہ ۷۷۲ھ (۱۳۷۰ء) یعنی فیروز شاہ کے بیسویں سالِ جلوس میں کسی نامعلوم مصنف نے کتاب بنام سیرت فیروز شاہی ترتیب دی جو چار ابواب پر مشتمل ہے اور جس میں سلطان فیروز تغلق کا تذکرہ اور اس کے کارناموں کا حال بڑے بلیغ اور مرصع انداز میں قلمبند کیا گیا ہے۔ اسٹوری نے اسی سلسلہ میں بانکی پور کے مخطوطہ (ج ۷، ۵۴۹) کا حوالہ دیا ہے جو ۱۸۲ اوراق پر مشتمل ہے۔[2]

اب تک عام طور سے ہندوستانی فارسی نثر کے جو اسالیب مختلف موضوعات کی شرح و بسط کے لئے اختیار کئے گئے تھے۔ ان کی بنیاد سادگی بیان، صفائی مضمون، سلاست اور دل نشینی پر تھی اور چند گزشتہ مشہور و معروف تصانیف جیسے کشف المحجوب، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، جوامع الحکایات، طبقات ناصری، فوائد الفواد اور

---

[1] اسٹوری نے طبقاتِ اکبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس نے یہ فرامین و اقوال جو خود اس کے مرتب کردہ تھے، مسجد فیروز آباد کے ایک ہشت پہلو گنبد میں کتبات کی شکل میں کندہ کرا دئے تھے۔ اسٹوری نے یہ بھی لکھا ہے کہ فتوحاتِ فیروز شاہی ۱۹۵۴ء میں دہلی سے شایع ہوئی۔ ملاحظہ ہو: Persian literature section II Fasc. 3, P. 509

[2] ایضاً، ص ۵۰۹۔

تاریخ فیروز شاہی برنی اور تاریخ فیروز شاہی شمس عفیف وغیرہ میں بیشتر رواں اور سادہ
تحریر ہی بروئے کار آیا ہے اور یہی انداز فی الواقع ان کی شہرت اور مقبولیت کا ضامن
ہے لیکن اس عہد (نیمۂ اول قرن ہشتم میلادی) میں عین ماہرو عامل ملتان نے اپنے مکتوبات
اور مراسلات کے ذریعہ فارسی نثر نویسی کے میدان میں ایک جدید طرز مرصع کا اضافہ کیا
اس سے پہلے امیر خسرو نثر مصنوع اور عالمانہ عبارت آرائی کی بنیاد ڈال چکے تھے۔
سلسلے میں ان کی تصانیف اعجاز خسروی اور خزائن الفتوح (یا تاریخ علائی) کا مختصر
اور ان کے طرز تحریر کا ذکر ضمناً پہلے کیا جا چکا ہے[1]۔ عین الدین عین الملک عبداللہ بن
مشہور بہ عین ماہرو[2] کا شمار عہد علائی اور عہد تغلق کی بہت ممتاز اور معروف شخصیتوں
ہوتا ہے وہ عام طور سے ملتانی کی نسبت سے مشہور ہے۔ اس نے دہلی سلطنت کے
فرماں رواؤں علاء الدین خلجی، قطب الدین مبارک شاہ، خسرو خان، غیاث الدین تغلق
محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق کا دور حکومت دیکھا تھا اور مختلف اوقات میں مختلف
مناصب پر فائز رہا۔ وہ اپنے عہد میں زبردست سیاسی اثرات اور انتظامی حیثیت
کا مالک تھا اور اس زمانہ کے با اقتدار مدبرین حکومت میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس
شخصیت کا دوسرا تابناک پہلو وہ ہے جس میں وہ ایک صاحب طرز انشا پرداز اور
کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے اس کے منشآت اور مکتوبات کا مجموعہ جس میں

---

[1] اس کے علاوہ اس سے بھی پہلے تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل کی معروف تصنیف تا
(جس کا ذکر اس مقالہ کی پہلی قسط میں کیا جا چکا ہے) کا انداز نگارش بھی عبارت آرائی کے سبب
خاصا بوجھل، عربی آمیز اور مرصع ہے۔ جا بجا اشعار کی ترصیع (اور کہیں کہیں تو عربی کے اشعار
کئے گئے ہیں) نے کلام کو اور زیادہ مصنوع اور بلیغ بنا دیا ہے۔ [2] عفیف لکھتا ہے
"منقولات عین الملک را عین ماہرو گفتندے" (تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۰۶)

نے مراسلہ نگاری کو ایک جداگانہ فن کی حیثیت سے پیش کیا ہے عام طور سے انشائے ماہرو کے نام سے شہرت رکھتا ہے[۱] لیکن شمس سراج عفیف نے اس مجموعہ کا نام "ترسل عین الملک" لکھا ہے:

"یکے ازاں ترسل عین الملکی است کہ درجہان بہ ہر یک زبان معروف و مشہور است"[۲]

یہ کتاب ان سرکاری نیز نجی مکتوبات کا مجموعہ ہے جو مصنف نے وقتاً فوقتاً مختلف اعیان سلطنت، امراء و رؤسا، مشائخ و علماء، سادات اور فضلاء اور اپنے اعزہ واقربا کو لکھے تھے۔ اس اعتبار سے ان خطوط کی حیثیت سرکاری بھی ہے اور خالصۃً شخصی بھی لیکن دونوں قسم کے خطوط میں ادبی اور علمی شان اور عبارت آرائی کا طمطراق برقرار نظر آتا ہے اس کے علاوہ کچھ مراسلے وہ ہیں جو شاہی فرامین و احکام پر مشتمل ہیں۔

عین ماہرو کی سمجھ بوجھ، علمی فضیلت اور ادبی کتابات کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف لکھتا ہے:[۳]

---

[۱] انشائے ماہرو کو (بعنوان منشآت عین الدین عین الملک عبداللہ بن ماہرو) شیخ عبدالرشید صاحب سابق صدر شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان (پنجاب یونیورسٹی لاہور) کی مطبوعات کے تحت ۱۹۶۵ء میں شایع کیا ہے۔ متن کے علاوہ جس میں کافی دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے اور امکانی صحت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ مؤلف نے انگریزی میں ایک بسیط اور شرح مقدمہ بھی شامل کیا ہے جس میں مصنف کی زندگی، حالات، کوائف، سیاسی اور ادبی حیثیت اور تاریخی اور علمی حیثیت سے انشائے ماہرو کی اہمیت، مکتوبات کے خلاصے اور اس عہد کی تاریخ اور سیاست سے متعلق اہم نکات اور دوسرے متعلقہ مسائل و موضوعات پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے عین ماہرو کے ذکر کے سلسلہ میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے بھی اپنی کتاب تاریخ ادبیات در ایران، جلد سوم بخش دوم (ص ۱۳۰۸) میں اس ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے۔ [۲] تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۰۷ [۳] ایضاً

"المقصود عین الملک در کفایت و درایت انچنیں شخصے بود۔ ۔ ۔ ۔ و فضل اورا فایتے نبود"

"چنانچہ چندیں کتب فضل در عہد دولت محمد شاہ[1] و فیروز شاہ تصنیف کردہ اوست"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین الملک اس مجموعہ خطوط کے علاوہ بھی دوسری کتابوں کا مصنف تھا لیکن جہاں تک ہمارا محدود علم ہے، انشاء کے اس کارنامہ کے علاوہ اس کی تحریر کا کوئی دوسرا نمونہ اب تک علم تحقیق کی دنیا میں روشناس نہیں ہو پایا ہے۔ مرحوم شیخ محمد اکرام کے حسب ذیل بیان سے بھی جو انھوں نے اس کتاب کے مذکورہ بالا اڈیشن میں 'تعارف' کے عنوان کے تحت دیا ہے؛ اس کتاب کی مجموعی اہمیت کا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ان مکتوبات سے نہ صرف تاریخی اور جغرافیائی معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ ایک ایسے قدیم دور کے تہذیب و تمدن اور ثقافتی حالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے معاصر ذرایع بہت تھوڑے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب کا ادبی پایہ بھی بہت بلند ہے چنانچہ حضرت امیر خسرو اور سراج عفیف ایسی معاصر علمی ہستیوں نے اپنی تصانیف میں عین الملک ماہرو کے بلند علمی و ادبی مقام اور اس کے ان شاہپاروں کا ذکر بڑے موثر اور سنجیدہ الفاظ میں کیا ہے"[2]

---

[1] یعنی محمد بن تغلق۔

[2] اس ضمن میں اکرام صاحب مرحوم کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ عہد علائی اور عہد تغلق کے اس بدیع الفکر عالم اور صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز نے ۷۶۴ھ (۱۳۶۲ء) کے بعد کبھی وفات پائی۔

اسی اڈیشن کے انگریزی مقدمہ میں شیخ عبدالرشید صاحب نے اور اکرام صاحب نے بحوالۂ بالا تعارف میں اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ انشائے ماہرو کا دنیا میں واحد نادر نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ مقدم الذکر نے لکھا ہے کہ اسی منفرد نسخہ کی تین نقول کرائی گئی تھیں جن میں سے ایک سے انھوں نے استفادہ کیا اور اسی کی مدد سے اس کتاب کا موجودہ متن تیار کیا ہے۔

ذیل میں انشائے ماہرو کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے جس سے نہ صرف اس کتاب کے عام سبک سے آگاہی ہوسکے گی بلکہ یہ بھی اندازہ ہوسکے گا کہ اگر ایک طرف انشاء ساد کا رواج تھا تو دوسری طرف نثر مرصع کے نمونے بھی دامن ادب کو وسیع کر رہے تھے۔

"تا براق قلم را در میدانِ سیم گون کاغذ جولان گاہ انشار و ابداع تصنیف واختراع طویل و عریض خواہد بود، و غواص خامہ بختہ کار از بحار مشکبار در غرر بلاغت و جواہر زواہر براعت بدستیاری بنان بیان عیان خواہد نمود، قلم سحر آفرین صاحب دیوان ممالک انشار کہ مستدعی تحسین و مستوجب مدح و آفرین است و در زمان استخراج امور لطایف و آوان استنباط کنوز ظرایف و عطارد در مقام اقتباس فوائد موقوف و در التقاط فراید چون تیر راست ایستادہ، و مثال تمثال جوزا کمر خدمت و زبانِ محمدت بستہ و کشادہ است، در حل مشکلات و کشفِ معضلات و اظہارِ فضایل و کتمان سرایر خصایل ناظم مناظم دین و دولت و راقم صحایف انتظام ملک و ملت باد و تحریر قلم او در افاضت معانی چون تیغ آفتاب جہانگیر، و اعادی آن خدمت چون قلم نگونسار و دستگیر بحق من قال " وعلّم بالقلم "

عین ماہرو کہ صحایف موالات موروث را بلطایف مصافات مکتسب آراستہ و نقش دولت خواہی و رقم یگانگی بر صفحات خلوص اعتقاد نگاشتہ است، بعد اسلام مقام

عبودیت در مرکز اخلاص چوں قلم قیام نمودہ درعرضہ داشت کہ چون آرزومندی محبان خدمت کریم خداوندی از دایرہ عبارت بیرون بود، لبساط شرح و لبسط شوق بدست ایجاز بر مبنای "واللکرام من التطویل تصدیع"، در نوشت"[1]

ایک اہم اور قابلِ توجہ حقیقت جس کی جانب پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ ہے کہ قرونِ وسطٰی میں ہندوستانی فارسی زبان اور ادبیات کی اس درجہ ترقی گویا دو تہذیبوں کے باہم ارتباط اور آمیزش کی دل کش اور پُراز معلومات داستان ہے۔ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے وہ بیش بہا اور قدیم سرمائے جو سنسکرت یا دوسری ہندوستانی زبانوں میں محفوظ تھے۔ اب آہستہ آہستہ ادبِ فارسی کے کشادہ دامن میں جگہ پانے لگے اور ہندوستانی حکمت یا فکر کا عنصر فارسی ادبیات اور علوم کا جزو بننے لگا۔ اس علمی لین دین میں مسلمان فرمانرواؤں کی وسیع القلبی اور علم دوستی کو بڑا دخل تھا جس کے سبب سے ان سلاطین نے علوم و ادب کے سرمایہ کی فارسی میں منتقلی میں گہری دل چسپی کا اظہار کیا۔ ایک عام (اگرچہ کسی حد تک غیر مصدقہ) تصور یہ ہے کہ عہدِ غزنوی میں پہلی بار سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی بنیاد پڑ چکی تھی، لیکن عہدِ علائی اور دورِ تغلق میں ہندوستانی علوم و فضایل کی طرف دریا دلی اور دل چسپی کے ساتھ توجہ دی جانے لگی۔ لہٰذا اس دور کی ثقافت کا ایک روشن اور اہم پہلو یہ ہے کہ ہندوستانی سرمایۂ علم و فضل کو فارسی کے قالب میں ڈھالنے کی شعوری کوشش کی گئی اور اس روایت کو باقاعدہ طور پر سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے درباری شاعر عزالدین خالد خانی نے سنسکرت سے فارسی شعر کے قالب میں دلایل فیروز شاہی ترتیب دی جس کا موضوع نجوم، فال اور شگون تھا۔

---

[1] انشای ماہرو، متذکرہ بالا اڈیشن، ص ۱۱۷۔

بدایونی نے لکھا ہے کہ فتح نگرکوٹ[1] کے بعد جو ۷۶۲ھ (۱۳۶۱-۶۲ء) کے لگ بھگ حاصل ہوئی تھی، وادی کانگڑہ میں جوالا مکھی نام کے مندر سے مختلف موضوعات سے متعلق ایک ہزار تین سو (۱۳۰۰) سنسکرت میں لکھے ہوئے قلمی نسخے حاصل ہوئے اور وہ سب مخطوطات وہاں کے پجاریوں کی ملکیت میں ایک مدت دراز سے محفوظ چلے آرہے تھے۔ سلطان فیروزشاہ تغلق نے برہمنوں اور مسلمان مترجموں کو بلا کر خواہش ظاہر کی کہ ان کتابوں میں سے کچھ کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے۔ اس جگہ بدایونی کا بیان بعینہٖ نقل کر دینا غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہو:

"..... و یک ہزار و سی صد کتاب از برہمنان سابق درین بت خانہ است کہ بہ جوالا مکھی اشتہار دارد ..... سلطان برایمہ را طلبیدہ بعضے ازان کتاب را فرمود تا مترجمان بزبانِ فارسی ترجمہ نمایند۔ ازاں جملہ عزالدین خالد خانی کہ از شعراو منشیان عصر فیروزی بود کتابے در بیان ہبوط و صعود سیاراتِ سبعہ و سعادت و نحوست آنہا و تفاؤل و شگون بنظم آوردہ و دلایل فیروزی نام نہاد.. الخ[2]

بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ۱۰۰۰ھ میں اس کتاب کو اول سے آخر تک مطالعہ بھی کیا تھا[3]۔ اس کتاب اور اس موضوع سے متعلق معلومات اس دور کے چند ماخذوں میں بھی مل جاتی ہے[4]۔

---

[1] جس کا نام بعد میں سابق شاہنشاہ مرحوم محمد بن تغلق کے نام کی رعایت سے محمد آباد رکھا گیا۔
(بدایونی ج ۱، ص ۲۴۸)

[2] منتخب التواریخ، ج ۱، ص ۲۴۹۔

[3] ایضاً

[4] بھارتیہ ودیا بھون، بمبئی کی شایع کردہ کتاب History and Culture of the Indian People - (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تراجم کی بحث کی ذیل میں بدایونی ہی کے بیان سے مزید علم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی ترجمہ کی چند کتابیں موسیقی و رقص وغیرہ کے موضوعات پر جو عہد فیروزی میں مرتب ہوئی تھیں اس کی نگاہوں سے گذری تھیں۔ وہ لکھتا ہے :

"چند کتابے دیگر قبل ازیں ہم بنظر فقیر رسیدہ کہ بنام سلطان فیروز ترجمہ شدہ، بعضے ازاں در علم بیکل یعنی فن موسیقی و اقسام اکھارہ (؟) کہ آن را پاتربازی می گویند، و بعضے در غیر آن . . . . . الخ[1]

اسی عہد میں — ۷۸۱ھ کے حدود میں — مولانا داؤد نے ہندی زبان میں لکھی ہوئی ایک عاشقانہ مثنوی لورک و چاندا کا فارسی میں منظوم ترجمہ کیا اور اسے فیروز شاہ کے نام منسوب کیا[2]۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس نظم کی مقبولیت اور تاثیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی جلد ششم (متعلق بہ دہلی سلطنت) میں صفحہ ۵۳۶ پر دلایل فیروز شاہی کا ذکر درج ہے اور مترجم کا نام عزالدین خالدخانی دیا ہوا ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آگے چل کر سنسکرت سے فارسی میں تراجم کی مزید بحث کے سلسلہ میں اسی کتاب میں صفحہ ۵۰۳ پر مترجم کا نام عزیزالدین خالد کرمانی دیا ہوا ہے۔ ڈاکٹر رضا جلالی نائینی نے اپنے مضمون Persian translations of Sanskirit works (مجلہ ہند و ایران، شمارہ دوم، سال چہارم، تیر ۱۳۵۰ ش) میں بھی دلایل فیروز شاہی اور اس کے مرتب کا ذکر کیا ہے لیکن ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔

عزالدین خالدخانی اور دلایل فیروز شاہی پر مفید اطلاعات پروفیسر این، ایس گورکر صاحب نے بھی اپنے مقالہ Persian Staudies in Medieval period of Indian History (Indo Iran, April, 1973) میں فراہم کی ہیں۔

[1] منتخب، ج ۱، ص ۲۴۹ [2] ایضاً ص ۲۵۰۔

کا یہ عالم تھا کہ دہلی میں شیخ تقی الدین واعظ ربانی منبر پر کھڑے ہو کر اس کے کچھ اجزا خطبہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جس کو سن کر سامعین پر ایک عجیب وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ جب کچھ علمائے وقت نے ان سے سوال کیا کہ اس ہندوستانی مثنوی کے اشعار کے انتخاب اور قرأت کا کیا سبب ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ سرتاپا حقائق و اسرار معرفت سے مملو ہے اور اہلِ دل اور صاحبانِ وجد و حال کے لیے سامان ذوق و شوق اس سے حاصل ہوتا ہے، نیز اس کے معانی اور قرآن کے مفاہیم و مطالب میں مطابقت پائی جاتی ہے[1]۔ چند جدید ماخذوں میں وراہ می ہیرا (Varahami hira) کی کتاب (Panchsiddhantika) کے ترجمہ کا حوالہ ملتا ہے جس کو عبدالعزیز بہائی شمسی نوری نے غالباً اسی صدی میں سنسکرت سے فارسی میں منتقل کیا[2]۔ اس مختصر سی بحث سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اگرچہ پہلے بھی تراجم کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا لیکن عہد فیروزی میں اس ادبی روایت کو خصوصی تقویت حاصل ہوئی اور پھر آئندہ بھی یہ علمی سرگرمی جاری رہی جس کا بدیہی ثبوت

---

[1] منتخب، ج ۱، ص ۲۵۰

[2] ملاحظہ ہو مقالہ فارسی بعنوان "سہم گرانقدر ہند در گسترش دامنۂ زبان و ادبیاتِ فارسی" از معظّم دکتر سید امیر حسن عابدی، دانش گاہ دہلی، مجلہ ہند و ایران، جنوری ۱۹۷۲ء۔ بھارتیہ ودیا بھون، بمبئی کی شایع کردہ دورۂ سلطنت دہلی سے متعلق تاریخی کتاب میں جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے، صفحہ ۵۲۸ پر موسیقی اور رقص کے موضوع پر کسی سنسکرت کی کتاب کے فارسی میں ترجمہ کے سلسلہ میں عبدالعزیز شمس تھانیسوری کا نام دیا گیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مقالہ انگریزی از قلم دکتر سید رضا جلالی نائینی، مجلہ ہند و ایران، جولائی ۱۹۷۲ء۔ فاضل مقالہ نگار نے اس بات کا شک ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ ہے کہ عبدالعزیز شمس بہاری نوری اور شمس عفیف سراج، (مصنف تاریخ فیروز شاہی) دونوں ایک ہی شخصیتیں ہیں، لیکن ہماری حقیر رائے میں یہ خیال سہو محض ہے۔

یہ ہے کہ نہ صرف خصوصیت کے ساتھ پندرھویں صدی میں بہمنی سلاطین کے زیر توجہ سنسکرت سے فارسی میں چند ترجمے ہوئے[1] بلکہ تیموری سلاطین کے زمانہ حکومت میں بھی ہندی یا سنسکرت کی علمی و ادبی کتابوں، حکایات و قصص وغیرہ کے علاوہ دوسری زبانوں کے علوم و فضائل کو بھی فارسی میں منتقل کیا گیا اور ان کوششوں سے ادب و علم کو بڑی وسعت حاصل ہوئی۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ فارسی زبان، علوم اور ادبیات کو فروغ دینے میں ہندوستانی صوفیائے کرام اور ان کی تبلیغات و تعلیمات، تذکرات و ملفوظات اور ان کی تصنیفات اور تالیفات کا بہت اہم اور مقتدر رول رہا ہے۔ ان مشائخ عظام نے خواہ وہ شمالی ہندوستان کے ہوں، چاہے ان کا تعلق سرزمین دکن سے ہو، اپنے اپنے دور میں ـــ تصوف و سلوک کی اولین تبلیغی سرگرمیوں سے لے کر کم و بیش پندرھویں صدی عیسوی تک یا اس کے بعد بھی ـــ اپنی اپنی شخصیتوں کے گرد متعدد علمی، ادبی اور تہذیبی آثار و باقیات کا روشن اور تابناک ہالہ چھوڑا ہے اور بہت سی کتابیں ان کی یادگار ہیں جن میں اخلاقی، مذہبی، فلسفیانہ اور متصوفانہ موضوعات و مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ انھیں آثار میں سے چند ایسی کتب ہیں جو اولیائے کرام کے تذکروں، حالات زندگی، تعلیمات اور سیرت سے متعلق ہیں۔ یہ سارے کارنامے ہندوستان کی ثقافتی تاریخ کا اہم حصہ اور جزو لاینفک ہیں لیکن موضوع کی طوالت اور اس طرح کی تصانیف کی کثرت کی وجہ سے ان سب کے احاطہ اور ان پر تفصیلی بحث کی یہاں گنجائش نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے جائزہ کے لئے جُداگانہ دفتر درکار ہے۔

اس سلسلہ کی ایک ممتاز اور اہم تصنیف جو فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں مکمل ہوئی اور جس کا ذکر یہاں ضروری ہے، سید محمد بن سید نور الدین مبارک علوی کرمانی معروف بہ میر خرد کی مشہور کتاب سیر الاولیاء ہے جس کا پورا نام سیر الاولیاء فی محبۃ الحق جل و علا ہے اور جس میں چشتی سلسلہ کے بزرگوں خاص طور سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت

---

[1] ان ترجموں کا ذکر آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حالاتِ زندگی اور واقعات، ان کے خلفاء و مریدین، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری، اجمیریؒ کے تذکرے اور ان کے مریدوں اور جانشینوں کے واقعات اور حالات، نیز اقوال و مذاکرات درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی متفرق مسایل و موضوعات ہیں جن کے بارہ میں مفید تفصیلات اسٹوری نے فراہم کی ہیں[1]۔ یہ اہم کتاب جو دس ابواب میں تقسیم کی گئی ہے، اسی وقت مکمل ہوئی جب کہ مصنف کی عمر پچاس سال تھی۔ میر خرد سلطان فیروز شاہ تغلق کا ہم عصر اور حضرت شیخ نصیرالدین اودھی[2] چراغ دہلی[3] کا مرید تھا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ وہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مریدوں میں سے تھا۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس نے حضرت چراغ دہلیؒ سے بیعت سے پہلے اپنی زندگی کے اولین دور میں حضرت سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدینؒ کے حضور میں بھی زانوی ارادت تہہ کیا ہو[4]۔

اسٹوری نے خزینۃ الاصفیا اور شجرۂ چشتیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میر خرد نے ۷۷۰ھ (۱۳۶۸ء - ۱۳۶۹ء) میں وفات پائی[5]۔ لیکن ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے مرحوم سعید نفیسی کے اس قول کا حوالہ دیتے ہوئے جو موخرالذکر کی کتاب تاریخ نظم و نثر فارسی (ص ۷۵۹) میں مذکور ہے لکھا ہے کہ صاحب سیرالاولیاء نے ۷۷۰ھ میں انتقال کیا[6]۔

موضوع اور طرزِ نگارش دونوں ہی کے لحاظ سے سیرالعارفین اس دور کی ایک اہم نمایندہ تصنیف کہی جا سکتی ہے[7]۔ (باقی)

---

[1] ملاحظہ ہو Persian Lit. Vol. I. Part 2 Biography صفحات ۹۴۱ تا ۹۴۴۔ [2] چونکہ وہ اجودھیا (اودھ) میں پیدا ہوئے تھے، اس لئے اودھی کہے جاتے ہیں۔ ان کی وفات ۷۵۷ھ میں ہوئی۔ [3] .... بید وحیدالدین کرمانی مبارک کہ از مریدان شیخ نظام الدین اولیاء است و سید خرد اشتہار دارد و کتاب سیرالاولیاء تصنیف اوست ....." (تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۹۷) [4] اس سلسلہ میں اسٹوری کا بیان ہے: Muhammad b. Mubarak Received his Sufism from Sh. Nizam al-Din. Subsequently he became the discipline of Nasir al-din Mahmud Chiragh-i-

[5] ایضاً ص ۹۴۲۔ [6] تاریخ ادبیات در ایران، ج ۳، بخش ۲، ص ۱۳۱۵۔ [7] سیرالاولیاء کا ایک ایڈیشن لالہ چرنجی لال کے ایڈیشن کے نام سے ۱۸۵۷ء کے غدر کے فوراً بعد دہلی سے شایع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی محب ہند

Dihli: Ibid Vol. I Part 2 P. 942